اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ (الجاثیہ:13)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اعمالِ عبادت کیسے بنتے ہیں؟

انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہرِ اتم ہے۔ اس کو اللہ رب العزت نے دنیا میں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذریت:56) اور میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کی خاطر۔

عبادت کا کیا مطلب؟ کہ وہ اپنی زندگی اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے طریقوں کے مطابق گزارے تو اس کا ہر کام عبادت بن جائے گا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ عبادت کا رشتہ فقط مصلے کے ساتھ جوڑیں، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر بھی عبادت ہوتی ہے لیکن عبادت تو پوری زندگی پر محیط ہے۔ اگر ہمارے معاملات، لین دین، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے طریقوں کے مطابق ہو تو سب کچھ عبادت بن جاتا ہے۔ بعض لوگ تسبیح کے منکے پھیرنے کو عبادت سمجھتے ہیں، ان کی زبان سے جھوٹ بھی نکل رہا ہوتا ہے، زبان سے دوسروں کو تکلیف بھی پہنچ رہی ہوتی ہے اور معاملات کی صفائی بھی نہیں ہوتی۔ وہ گویا اپنی پوری زندگی شریعت وسنت کے مطابق نہیں گزار رہے ہوتے۔ اگر کسی بندے نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے طریقے کے مطابق اپنی تھوک پھینکی یا قضائے حاجت سے فراغت حاصل کی تو یہ عمل بھی اس

کے لیے عبادت بن جاتا ہے۔

علم الاشیاء اور علمِ قلم:

اگر انسانیت کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو حضرت آدم علیہ السّلام اس دنیا میں ''علم الاشیاء'' لے کر آئے۔ علم الاشیاء سے کیا مراد ہے؟ چیزوں کے ناموں کا علم۔ اب چیزوں کے جو بھی نام ہیں کبھی تو کسی نے رکھے ہی ہوں گے۔ سب سے پہلے یہ نام حضرت آدم علیہ السّلام نے رکھے۔ مثال کے طور پر ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں، یہ پانی ہے، یہ درخت ہے، یہ زمین ہے، یہ آسمان ہے۔ یہ تمام الفاظ چیزوں کی طرف منسوب ہیں تو اس وقت کی زبان میں سریانی زبان تھی یا عبرانی، جو بھی تھی حضرت آدم علیہ السّلام نے چیزوں کے ناموں کو متعیّن فرما دیا۔ یہ پہلا علم تھا جو انسان کو دنیا میں ملا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:31) اور سکھلا دیے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے۔

پھر اس کے بعد حضرت ادریس علیہ السّلام تشریف لائے تو وہ ''علمِ قلم'' لے کر آئے۔ چنانچہ انہوں نے انسانیت کو قلم سے لکھنا سکھایا۔ اگرچہ وہ لکھائی ایسی خوشنما تو نہیں ہوتی تھی جیسی آج ہوتی ہے مگر کچھ نہ کچھ ایسے اشارے تھے جن سے چیزوں کو کسی نہ کسی چیز کے اوپر قلم بند کر دیا جاتا تھا۔ اس وقت علم لکھ کر بھی محفوظ کیا جانے لگا۔ یوں انسانیت کو لکھنے کی نعمت نصیب ہوئی۔

ایگریکلچر انجینئرنگ کا دور:

انسان نے دنیا میں جو سب سے پہلی صنعت سیکھی وہ کھیتی باڑی کی تھی۔ اس لئے کہ انسان کی ساری ضروریات کا تعلّق زمین سے ہی ہے۔ جسم کی ہر ضرورت زمین سے پوری ہوتی ہے۔ ہم روٹی کھاتے ہیں تو اس کی فصل زمین سے نکلتی ہے، جو پانی پیتے ہیں وہ زمین سے نکلتا ہے، جس مکان میں زندگی

گزارتے ہیں اس کی ہر چیز زمین سے نکلتی ہے، جو لباس پہنتے ہیں اس کی فصل زمین سے نکلتی ہے۔تو ہمارے بدن کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ زمین سے ہی پوری کرتے ہیں۔اسی لیے زمین کو بنانے میں دو دن لگے مگر اس میں انسان کی ضروریات رکھنے میں چار دن لگے۔

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (حٰمٓ السجدہ:9) اس نے زمین کو دو دنوں میں بنایا

یعنی زمین میں جو نمکیات کا تناسب ٹھیک کیا اور انسان کی ضروریات کے لیے معدنیات زمین میں رکھی گئیں، اس برکت کو زمین میں رکھنے میں چار دن لگے۔اگر یہ تناسب ٹھیک نہ ہوتا اور زمین سے کھیتی نہ اگ سکتی تو انسان کی زندگی کیسے گزرتی؟ اگر فقط کھیتی اگتی اور معدنیات زمین سے نہ نکلتیں تو انسان کا کیا بنتا؟ یہ سب چیزیں انسان کے بدن کی ضروریات تھیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین سے نکال دیا۔چونکہ مٹی ہی انسان کی بنیاد ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مٹی میں ہی جسم کی ضرورتیں پوری کر دیں۔کیسے ضروریات پوری کیں؟ ایسے کہ وقت کے ساتھ ساتھ آبادی بڑھتی جا رہی ہے، تو وہی زمین اپنی فصل دینے کی صلاحیت کو ویسے ہی ساتھ ساتھ بڑھا رہی ہے۔ایک وقت تھا کہ زمین سے فصل لینے والے چند لوگ تھے اور آج اربوں انسان دنیا میں ہیں، ان کے لیے پانی بھی زمین سے نکل رہا ہے اور سبزی، پھل اور دوسری نعمتیں بھی زمین سے نکل رہی ہیں۔اور اگر آبادی اس سے کئی گنا بڑھ بھی جائے تو اللہ کی زمین سب کے لیے رزق مہیا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔

انسان نے سب سے پہلے کھیتی باڑی میں عروج حاصل کیا۔شروع شروع میں سادگی کے زمانے میں مختلف سبزیاں اور پھل اگائے گئے اور انسان نے اپنی ضرورتیں پوری کرنا شروع کیں۔اسی لئے پہلے دور میں جس کے پاس کچھ زمین ہوتی تھی وہ اس میں باغ لگا کر یا کھیتی باڑی کر کے اپنی گزر اوقات کر لیا

کرتا تھا۔ بعد میں زراعت کا فن اتنا پھیلا کہ ''قومِ سبا'' کے دور میں زراعت کی ٹیکنالوجی اپنے عروج پر تھی۔ قرآن مجید نے اس کی گواہی دی:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ (سبا:15) قومِ سبا کے لیے ان کی بستی میں نشانی تھی دو باغ دائیں اور بائیں۔

ان کے راستوں میں کئی کئی میلوں تک دائیں بائیں باغات ہوتے تھے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے سر پر خالی ٹوکری لے کر باغ میں داخل ہوتا تو وہ اتنا لمبا باغ ہوتا تھا کہ خود بخود گرنے والے پھلوں سے وہ ٹوکری بھر جاتی تھی اس سے پہلے کہ وہ باغ سے باہر نکل آئے۔ ہم جب یہ بات تفسیر میں پڑھتے تھے تو مانتے تو تھے مگر تعجّب ہوتا تھا کہ یا اللہ! وہ کیسا باغ ہوگا کہ جس میں گرنے والے پھلوں سے ٹوکری بھر جاتی تھی۔ اللہ کی شان کہ ہمیں ایک مرتبہ ساؤتھ افریقہ میں کیلے کا ایک باغ دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ باغ پچاس میل چوڑا اور ڈیڑھ سو میل لمبا تھا۔ ہماری کار بھاگی جا رہی تھی اور باغ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ ڈیڑھ سو میل سفر کرنے کے بعد وہ باغ ختم ہوا۔ اس دن ہمیں یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن مجید میں جو قومِ سبا کی باتیں کہی گئی ہیں، ان کے باغات کیسے ہوتے تھے؟ ان کے ایک شہر سے دوسرے شہر تک جتنی زمین ہوتی تھی اس میں باغات ہی باغات ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ (سبا:15) اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ کتنا پاکیزہ شہر ہے اور پروردگار مغفرت کرنے والا ہے۔

جی ہاں، اللہ تعالیٰ بندوں سے یہی چاہتے ہیں کہ اس کا کھا کر اسی کا شکر ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھوکا رکھ کے خوش نہیں ہوتے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے ان نعمتوں کو کھاتے رہیں اور

اپنی جبینِ نیاز میرے سامنے جھکاتے رہیں۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب میزبان مہمان کے سامنے کوئی چیز رکھتا ہے تو اس کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ نہ کھائے، بلکہ اگر وہ نہ کھائے تو میزبان کو افسوس ہوتا ہے۔اور اگر وہ شوق و رغبت سے کھائے تو اسے خوشی ہوتی ہے اور وہ الٹا مہمان کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ جی آپ نے ہمارا کھانا شوق سے کھایا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ میرے بندے بھوکے اور پیاسے رہیں، بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ میری نعمتوں کو استعمال کریں مگر میرا شکریہ بھی ادا کریں کہ میں پروردگار نے ان کے رزق کا بندوبست فرمادیا۔بھئی! اگر کوئی پیپسی کی بوتل پلائے تو دنیا اس کا بھی شکریہ ادا کرتی ہے تو جس پروردگار نے دسترخوان پر اتنی نعمتیں سجائیں، کیا اس کا حق نہیں بنتا کہ انسان اس کا بھی شکر ادا کرے؟ لیکن وہ تنگ آکر کہتے تھے:

رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا (سبا:19) اے ہمارے پرودگار! دراز کردے ہمارے سفروں کو۔

گویا کہ انہوں نے پروردگارِ عالم سے کہا کہ اے اللہ! ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانے کا مزہ ہی نہیں آتا۔اگر درمیان میں کچھ ویرانہ اور خالی جگہ ہوتی تو پتہ چلتا کہ ہم سفر کررہے ہیں جی ہاں، جب بندے کو اس کی منشا کی ہر چیز مل جاتی ہے تو پھر اس کے اندر انانیت اور سرکشی آجاتی ہے۔یہ ساری مصیبتیں پیٹ بھرے کی ہیں۔ پیٹ خالی رہے تو اسے خدا بھی یاد رہتا ہے اور پیٹ بھر جائے تو خدا کو بھی بھول جاتا ہے۔یہی حال ان کے ساتھ بھی ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ رحمۃ اللہ علیہ فاقے کے فضائل بیان کررہے تھے۔کسی آدمی نے کہا: جی فاقہ بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کی فضیلت بیان کی جائے؟ فرمانے لگے کہ اگر فرعون کو دنیا میں فاقے آتے تو وہ کبھی خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔وہ اپنی اوقات بھول گیا تھا اسی لیے تو اس نے خدائی کا دعویٰ کیا

تھا۔ جب بندے کو من پسند کھانا مل جاتا ہے اور اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ بس اب مجھے کسی کی کوئی پرواہی نہیں۔ وہ دینے والے کو بھی بھول جاتا ہے۔ تاتارخانیہ کے حاشیے میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ جو بندہ کثرت کے ساتھ بھوکا رہے یا اپنی ضرورت سے کچھ کم کھائے تو اس کی نصیحت کا دوسرے بندے پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اور اس بات کا آپ بے شک تجربہ کر کے دیکھیں کہ جو بندہ پیٹ بھر کے کھانے کا عادی ہو اس بندے کی بات سے دوسرے کی زندگی آپ کم ہی بدلتی دیکھیں گے۔ بڑے مزے کے بیانات اور تقریریں ہوں گی لیکن لوگ اس کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیں گے۔ تو یوں سمجھیں کہ پیٹ بھرے پر نہ تو بندے کی نصیحت کا اثر ہوتا ہے اور نہ ہی پیٹ بھرے کی نصیحت کا دوسرے بندے پر اثر ہوتا ہے۔ یہ بھوک بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت ہے کہ یہ بندے کو اس کی اوقات یاد دلاتی رہتی ہے۔ اسی لیے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں اور دوسرے دن روزے سے رہوں اور میں اس پر صبر کروں.....تو قومِ سبا جب اللہ تعالیٰ کی نافرمان بن گئی تو ان کی ناشکری اور نافرمانی کی وجہ سے باغات کے نیچے جو پانی کی رو بہہ رہی تھی اور سب فصلیں اگ رہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو خشک کر دیا اور ان کے سارے کے سارے باغات ختم کر دیے۔

جب انسان کو زراعت کی ٹیکنالوجی مل گئی تو وہ اس کو بڑھاتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے ایسے باغات بنائے جو ہوا میں معلّق تھے۔ انہیں ''بابل اور نینویٰ کے معلّق باغات'' کہتے ہیں Hanging gardens of Babel وہ ہوا میں لٹکتے ہوئے باغات تھے۔ ان کے پھول، ان کی shrubs اور ان کے Annual franels ایسے تھے کہ ان کے پھول ہوا میں لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ آج بھی ان کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ جب ہم بچپن میں پڑھتے تھے تو کتابوں میں بابل اور نینویٰ کے معلّق باغات

کا تذکرہ بھی آتا تھا۔ بہرحال وہ دور ایگریکلچر انجینئرنگ کے عروج کا دور تھا۔

سِوَل انجینئرنگ کا دور:

اس کے بعد ایک اور دور آیا۔ اس دور میں انسان نے بلڈنگز (عمارتیں) بنانا شروع کر دیں۔ یعنی ایگریکلچر سے آگے بڑھ کر اس کا دھیان سول انجینئرنگ کی طرف آ گیا۔ اگرچہ اس وقت وہ وسائل نہیں تھے جو آج موجود ہیں، مگر اس دور کے حساب سے اس نے ایسی عالیشان بلڈنگز بنا دیں جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے لگیں۔

(ا) مصر کے اندر جو اہرامِ مصر ہے اس کا شمار آج بھی Wonders of the world (دنیا کے عجائبات) میں ہوتا ہے۔ اس کے اندر فراعنہ مصر یعنی مصر کے بادشاہوں کی لاشوں کو کیمیکل لگا کر Mummify (حنوط) کیا ہوا ہے۔ ان اہرامِ مصر کو دیکھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی بڑی چٹانیں اٹھا کر کہاں سے لائے تھے۔ لوگ تو مکان بنانے کے لیے اینٹیں جوڑتے ہیں لیکن ان پر کئی کئی ٹن وزنی ایک ایک چٹان جڑی ہوئی ہے۔ ان چٹانوں کی اتنی مہارت سے کٹائی کی گئی ہے کہ جب ان کا جوڑ لگایا گیا تو دیکھنے والے بندے کو جوڑ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اس زمانے میں نہ تو کرینیں ہوتی تھیں اور نہ ہی مشینری تھی، تو یہ ٹنوں کے حساب سے وزنی چٹانیں سینکڑوں فٹ تک پہنچانا اور وہاں فٹ کرنا واقعی بڑی حیران کن بات ہے۔ انہوں نے اس کو ایسے تکونی انداز میں بنوایا کہ اوپر جا کر تین دیواریں آپس میں ایک جگہ پر مل جاتی تھیں۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ مدتوں تک دنیا کو یہ سمجھ نہ لگی کہ اس کا دروازہ کہاں ہوگا۔ تاہم بہت سال پہلے جاپانی حکومت نے اس پر کام کیا۔ انہوں نے جیسے بندے کا الٹرا ساؤنڈ کیا جاتا ہے، اسی طرح مشین کے ذریعے اس کو بھی اندر سے دیکھا کہ کیا ہے۔ تو ان کو چند جگہوں پر اس کے بلاکس کے اندر gaps نظر آئے۔ انہوں نے جب حکومت سے اجازت لے کر ان کو کاٹا تو کیا دیکھا کہ

سامنے سیڑھی موجود ہے۔ وہ سیڑھی بھی ایسی تنگ سی تھی کہ نہ بندہ کھڑا ہو کر اندر جا سکتا تھا اور نہ ہی لیٹ کے جا سکتا تھا بلکہ بس درمیان کی حالت میں آہستہ آہستہ اندر اتر کر جا سکتا تھا۔

جب وہ اندر گئے تو انہیں تین باتیں بڑی عجیب نظر آئیں۔ پہلی عجیب بات یہ ہے کہ اس کے اندر بہت بڑے بڑے ہال کمرے بنے ہوئے ہیں۔ ان ہال کمروں میں دن اور رات کے اوقات کا احساس ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ چاروں طرف سے بند ہیں۔ مگر ایسا پتھر لگا ہوا ہے کہ اس میں سے کچھ روشنی اس کے اندر چلی جاتی ہے۔ جیسے فائبر گلاس، اس کے اندر بھی روشنی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ دن ہوتا تو اندر کچھ اجالا ہوتا اور رات ہوتی تو اندر اندھیرا ہوتا۔

دوسری عجیب بات یہ ہے کہ وہ جو ہال بنائے گئے ان کی انجینئرنگ ایسی ہے کہ ان کے اندر ایک سائیکلون (ہوا کا بگولہ) چلتا ہے اور اندر کھڑے ہوئے بندے کو ہر وقت ہوا لگ رہی ہوتی ہے۔ یعنی وہ جگہ ایسی بنائی گئی کہ اگر ایک طرف سے ہوا deficient (کم) ہوتی ہے اور vacuum (خلا) پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف سے ہوا آجاتی ہے۔ وہ ہوا کا ایک آٹو میٹک سائیکل چل رہا ہے۔ نہ بجلی کی ضرورت نہ پنکھے کی ضرورت۔ واہ میرے مولا! اس زمانے میں یہ انجینئرنگ کا شاہکار تھا۔ اس میں انہوں نے اپنے وقت کے بادشاہوں کی لاشوں کو حنوط شدہ شکل میں رکھا ہوا ہے۔ اس زمانے کی رکھی ہوئی لاشیں آج بھی محفوظ ہیں۔

تیسری عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے ان ہال کمروں میں بیڈ سجائے ہوئے ہیں۔ بلکہ ایک کمرہ تو ایسا ہے کہ اس کو انہوں نے باقاعدہ ایک دربار کی شکل میں سجایا ہوا ہے۔ یعنی اس زمانے میں جیسے بادشاہ کے دربار لگتے تھے، ویسے ہی دربار لگا ہوا ہے۔ تخت پر سونے کا کام کیا گیا ہے اور ایک بادشاہ تاج پہن کر تخت کے اوپر بیٹھا ہے اور وہ دروازے کے طرف دیکھ رہا ہے اور اس کا ہاتھ ایسے ہے کہ جیسے ابھی کوئی

آرڈر دینے کے لیے تیار ہو۔اب جب دیکھنے والا (زائر) کمرے میں داخل ہوتا ہے اور یک دم ایک بادشاہ کو یوں کر کے دیکھتا ہے تو اس کی چیخ نکل جاتی ہے۔یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا وہ بندہ عام حالت میں مرا اور انہوں نے اس کو اس طرح سے محفوظ کر کے وہاں بٹھا دیا یا اسے اسی حالت میں موت آئی تو اس کو وہاں پہنچایا کیسے گیا؟ اللہ تیری شان آج کے اتنے ترقی یافتہ دور کا انسان بھی جب وہاں جا کر اس جگہ کو دیکھتا ہے تو اسے دنیا کا عجوبہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

سول انجینیئرنگ میں انسان نے کیا ہی عجیب وغریب بلڈنگز بنائیں۔یہ نہیں ہے کہ آج ہی کوئی عجیب بلڈنگز بن رہی ہیں۔یہ پہلے زمانے کی بات ہے۔آج لوہا بلڈنگز کے اندر عام استعمال کیا جاتا ہے مگر یہ بھی کوئی ابھی کی بات نہیں ہے، یہ پہلے زمانے سے کیا جاتا تھا۔اگرچہ چودہ سو سال پہلے پتھر کا زمانہ تھا اور اس وقت کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ لوہا بھی بلڈنگز میں استعمال ہوتا ہے یا نہیں۔سب سے پہلے مسجد نبوی میں سیدنا عثمان غنیؓ نے لوہے کی کوئی چیز استعمال کی۔اس سے پہلے مسجد میں لوہے کی کوئی چیز نہیں تھی۔مگر اس سے بھی پہلے کی تاریخ دیکھیں تو حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السّلام کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک دیوار بنائی تھی چنانچہ انہوں نے لوگوں کو فرمایا:

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ (الکھف:96) مجھے لوہے کے ٹکڑے لا دو۔

چنانچہ حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السّلام نے وہ دیوار بنائی اور اس دیوار میں انہوں نے پتھروں کے ساتھ لوہے کا استعمال بھی کیا۔آج کے زمانے میں یہی پتھر اور لوہا ملا کر استعمال کرنے کو کنکریٹ کہتے ہیں۔گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انجینئرز حضرات صرف آج ہی یہ stress analysis نہیں کر رہے ہوتے بلکہ یہ پہلے زمانے کے انسان کی دریافت کی ہوئی چیز ہے۔

(۲) ٹھٹھہ میں ماکلی کا قبرستان ہے۔اس کے قریب ایک بادشاہی مسجد ہے۔اگر آپ اس مسجد کے محراب میں کھڑے ہو کر آواز دیں تو بغیر سپیکر کے وہ آواز اتنی بڑی مسجد کے آخری دروازے تک پہنچ جاتی ہے۔یہ عاجز اتنا اونچا نہیں بول سکتا۔ میں نے وہاں تھوڑی دیر کے لیے عام آواز میں بیان کیا اور دروازے پر کھڑے ہوئے ایک دوست نے مجھے وہ پورا بیان سنا دیا۔میں حیران ہوا اور ان سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ جو محرابیں اور گیلریاں بنی ہوئی ہیں، یہ ایسی انجینئرنگ کے ساتھ بنائی گئی ہیں کہ یہ آواز خود بخود چلتی ہوئی اس دروازے تک پہنچ جاتی ہے۔آج کے دور کے انسان نے سپیکر بنا لیے اور اس دور کے انسان نے اس کا آسان حل یہ نکال لیا۔

مسجد بہت ہی اونچی تھی۔ہم نے دیکھا کہ اس مسجد کی دیوار پر کچھ لکھا ہوا تھا۔لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ نیچے سے اوپر ایک جیسی لکھائی نظر آ رہی تھی۔ہمیں یہ بات بڑی عجیب لگی۔وہاں آثارِ قدیمہ والے ایک صاحب آئے ہوئے تھے۔جب ان سے پوچھا تو وہ کہنے لگے: اگرچہ یہ سینکڑوں سال پہلے بنی، مگر لکھائی کرنے والوں نے پہلے یہ اندازہ لگایا کہ کتنی دور سے دیکھ رہے ہیں، سامنے سے دیکھیں تو چیز فاصلے کے ساتھ ساتھ قد کے حساب سے ذرا چھوٹی نظر آنا شروع ہو جاتی ہے۔چنانچہ انہوں نے اندازہ لگایا کہ نیچے سے اوپر تک کی ہر لائن میں کتنا کتنا فرق پڑتا ہے، انہوں نے اسی حساب سے نیچے سے اوپر ہر لائن کا سائز بڑھایا۔چنانچہ نیچے والی لائن کا سائز اور ہے، اس سے اوپر ذرا بڑا سائز کر دیا، اس سے اوپر اور بڑا کر دیا۔لہٰذا اب دیکھنے والے بندے کو پہلی اور آخری لائن ایک جیسی نظر آتی ہے۔حالانکہ لکھنے والے نے اسے مختلف سائز میں لکھا ہوا ہے۔اس سے اندازہ ہوا کہ اس زمانے کے حضرات نے بھی بلڈنگز بنانے میں اتنی مہارت سے کام لیا۔

مکینیکل انجینئرنگ کا دور:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں جستجو رکھی ہے۔اس لیے یہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ چنانچہ سول انجینئرنگ میں کام کرنے کے بعد اس نے ایک قدم یہ بڑھایا کہ اس نے لوہے کا استعمال عام کرنا شروع کر دیا۔ یہ لوہے کا استعمال انسانی زندگی میں حضرت داؤد علیہ السّلام کے زمانے سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السّلام کے بارے میں فرمایا:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ(سبا:10) اور ہم نے (داؤدؑ کے لئے) لوہے کو نرم کر دیا۔

یعنی جس طرح ہمارے لئے پلاسٹک نرم ہوتا ہے ربڑ کی طرح، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ لوہے کی کڑیوں کو اس طرح جوڑتے تھے کہ وہ زرہ (یعنی انسان کا حفاظتی لباس) بن جاتا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی اس لیے جب کوئی لوہے کی زرہ پہن لیتا تھا تو اس کے جسم پر وار اثر نہیں کر سکتا تھا۔تو یہ فن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس زمانے میں سکھایا۔اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (الانبیآء:80) اور ہم نے ہی ان کو سکھائی لباس یعنی زرہ بنانے کی صنعت۔

اس کے بعد لوہے کا استعمال پھر اور زیادہ عام ہونے لگا۔کبھی تلوار اور نیزہ کی شکل میں اور کبھی زرہ کی شکل میں۔ پھر اس سے آگے بڑھا تو بلڈنگز میں بھی استعمال ہوا۔اس طرح یہ ایک ٹیکنالوجی بن گئی جسے آج کے دور میں مکینیکل ٹیکنالوجی اور مکینیکل انجینئرنگ کہتے ہیں۔ یہ مکینیکل انجینئرنگ کا دور دورِ نبوت کے بعد شروع ہوا۔اس سے پہلے لوہے کا استعمال بہت زیادہ نہیں تھا۔مگر جب انسان نے پہیہ بنا لیا تو پھر

مکینیکل انجینئرنگ میں بہت زیادہ ایڈوانسمنٹ ہوتی گئی۔ چنانچہ جب انسان نے انجن بنایا تو اسے بڑی خوشی ہوئی کہ جی اب ہم وزنی چیزوں کو کھینچ کے لے جاسکتے ہیں۔ پھر ریل گاڑیاں بن گئیں۔ ریل گاڑی اپنے دور کی ایک عجیب چیز ہوتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ جی دیکھو، ریل گاڑی پٹڑیوں کے اوپر چلتی ہے، تیز بھاگتی ہے اور لاکھوں منوں کے حساب سے وزن کھینچتی ہے۔

الیکٹریکل انجینئرنگ کا دور:

اسی دوران انسان نے ایک اور چیز ایجاد کی جسے ڈائنمو یا جنریٹر کہتے ہیں۔ اس سے بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ اس کی ایجاد الیکٹریکل انجینئرنگ کی بنیاد بنی۔ اس نے آکر ترقی کے دروازوں کو کھول دیا۔ چنانچہ پہلے زمانے میں جو تبدیلیاں سینکڑوں سالوں میں آتی تھیں وہ الیکٹریکل انجینئرنگ کے آنے کے بعد آدھے وقت میں آنا شروع ہوگئیں۔ انسان نے پہلے ڈی۔سی جنریٹر بنائے، پھر اے۔سی جنریٹر بنائے۔ اس کے بعد گھروں کی سہولیات کے چیزیں بننا شروع ہوگئیں۔ گھروں کے اندر بجلی آگئی۔ یہ زمانہ بہت دور کا زمانہ نہیں ہے۔ ہم نے اپنے پورے زمانہ طالب علمی میں لالٹین پر پڑھا۔ اس وقت بلب بہت ہی کم گھروں میں ہوتے تھے۔ اگر کسی گھر میں بلب ہوتا تو سمجھتے تھے کہ یہ بڑے امیر لوگ ہیں۔ ٹیوب لائٹس اور پنکھوں کا تو سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ چند سال اور گزرے تو آج یہ نعمت جہاں امیر کے گھر میں ہے، وہاں غریبوں کے گھر میں بھی پہنچی ہوئی ہے۔ تو وقت کے ساتھ ساتھ موٹر بھی بن گئی جس نے پانی نکالنا شروع کر دیا، پنکھا لگا دیا جس نے ہوا دینی شروع کر دی۔ چنانچہ اب یہ سہولیات اتنی عام ہو چکی ہیں کہ آج ایک غریب گھر میں بھی آدمی لائٹ جلاتا ہے اور پنکھے کی ٹھنڈی ہوا کے نیچے بیٹھ کر زندگی گزارتا ہے۔ اس طرح انسان نے اپنے آپ کو بہت زیادہ خوش محسوس کرنا شروع کر دیا۔ جب الیکٹریکل انجینئرنگ میں نئی نئی چیزیں بننے لگیں تو انسانیت کا اس کی طرف رجحان اور زیادہ ہو گیا

۔بالخصوص مادی زندگی گزارنے والے لوگ جو خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے، جو یہ سمجھتے تھے کہ اس دنیا کی زندگی میں عیش کرنا ہی سب کچھ ہے، انہوں نے تو پاگلوں کی طرح اس پر محنت کرنا شروع کر دی اور کہنے لگے کہ بس نئی سے نئی چیز بناؤ اور اس دنیا میں سہولتیں پاؤ، نام بناؤ اور شہرت پاؤ۔ جب وہ اس کے پیچھے لگ گئے تو نئی سے نئی چیز سامنے آتی چلی گئی۔ اس دوران اس نے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے کرنے کا طریقہ ڈھونڈا۔ یہ ٹیلیفون اپنے زمانے کی ایک انوکھی چیز تھی۔ ایک بندہ یہاں بیٹھا ہوتا تھا اور ایک بندہ کسی اور شہر میں بیٹھا ہوتا تھا اور آپس میں باتیں ہو رہی ہوتی تھیں۔ پھر وائرلیس پر باتیں ہونا شروع ہو گئیں اور اب یہ موبائل آ گیا۔ یہ سلسلہ آگے بڑھتا چلا گیا اور حتیٰ کہ آج انٹرنیٹ اور ای۔میل کی سہولت بھی آ چکی ہے۔

طبِ یونانی کا دور:

اس کے ساتھ ساتھ ایک ایڈوانسمنٹ اور بھی ہوئی۔ وہ یہ کہ جب انسان کو بدن کی بیماریوں کا علاج کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت کے جو طبیب لوگ تھے، انہوں نے اس پر بھی ریسرچ کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ وہ جنگلوں میں جاتے اور جڑی بوٹیوں کو دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں کچھ باتیں القاء فرما دیتے، جو مادی علم ملتا ہے، اس کا تعلّق کہیں نہ کہیں جا کر الہام کے ساتھ جڑتا ہے اور روحانی علم کا تعلّق وحی کے ساتھ جڑتا ہے خیر، ان طبیبوں کے دل میں القا ہوتا کہ اس میں فلاں بیماری کا علاج ہے چنانچہ انہوں نے جڑی بوٹیوں سے علاج کرنا شروع کر دیا۔ بالآخر یہ طب بھی اپنے عروج پر پہنچی اور اس دنیا میں بڑے بڑے اطباء گزرے۔ ایسے ایسے حکیم اور طبیب دنیا میں گزرے جو بندے کو دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اس کو کیا بیماری ہے۔ آج تو مریض سے کہا جاتا ہے کہ بلڈ ٹیسٹ کرواؤ، الٹراساؤنڈ کرواؤ، ایم۔آر۔آئی کرواؤ، پھر پتہ نہیں کتنی مصیبتوں سے نکلنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس کو کیا بیماری

ہے۔لیکن ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی فراست دے رکھی تھی کہ جب وہ کسی بندے کو دیکھتے تو چہرہ دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اب اس بندے کی بیماری کی یہ حالت ہے۔اور واقعی ایسا ہی ہوتا تھا۔طبیبوں کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔ان واقعات کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے کہ طبیب حضرات اس زمانے میں کس طرح علاج کرلیا کرتے تھے۔طب پر ایک کتاب ''القانون''لکھی گئی جس کا ترجمہ آج کی دنیا میں بھی یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے۔اطباء نے کتابوں میں لکھا کہ موت سے پہلے اگر یہ یہ علامات ہوں تو یہ بیماریاں نا قابل علاج ہوتی ہیں۔آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ان کی ترتیب دی ہوئی نشانیاں نا قابل علاج بیماریوں میں شمار ہوتی ہیں۔یونان کے اندر طب پر کام ہوا اس لئے اس کو ''طبِ یونانی'' کہتے ہیں۔

الیکٹرانکس کا دور:

پھر اس انجینئرنگ نے ایک نیا ٹرن لیا۔انسان نے سیلیکان اور جرمینیم کے آپس کے جوڑ سے ایک ایسی چیز بنائی جس کی وجہ سے نئی نئی چیزیں بننا شروع ہوگئیں۔اس کو''الیکٹرانکس'' کہا گیا۔یہ سیلیکان اور جرمینیم کا جنکشن بھی بڑی عجیب چیز بنا۔ٹرانسسٹر اور ڈائے اوڈ بن گئے۔اب یہ چھوٹے چھوٹے پرزے تھے مگر ان کے ذریعے انسان نے بڑے بڑے عجیب کام کرنے شروع کر دیئے۔جب وہ اس میں آگے بڑھا تو پھر اس کے لئے ٹیلیفون،تار اور اس طرح کی دوسری چیزیں بنانی آسان ہوگئیں اور یوں الیکٹرانکس کا دور بڑھتا چلا گیا۔یہ الیکٹرانکس کا دور ۱۹۶۰ء سے پہلے پہلے تک رہا۔

کمپیوٹر کا دور:

۱۹۶۰ء میں انسان نے کمپیوٹر بنانے شروع کر دیئے۔کمپیوٹر تو پہلے بھی بنائے تھے لیکن وہ بڑے بڑے تھے۔پھر اس نے چھوٹے کمپیوٹر بنانے شروع کر دیئے۔چھوٹے کمپیوٹر کے ذریعے تو یہ معاملہ ایسے آگے

بڑھا کہ جو دریافتیں پہلے سالوں کے اندر ہوتی تھیں وہ اب دنوں کے اندر ہونا شروع ہو گئیں۔ ہر دن میں کوئی نئی بات سامنے آنے لگی۔

امریکہ میں ایک میوزیم ہے، اسے Natural History Museum کہتے ہیں۔اس میں امریکہ کی تاریخی چیزیں دکھائی گئی ہیں۔ایک مرتبہ ہمیں اس میوزیم میں جانے کا موقع ملا۔ایک جگہ پر انہوں نے لکھا ہوا تھا کہ ہمارے ہاں ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر کی دکان ایسی ہوتی تھی۔ہم نے وہ دکان دیکھی۔آپ یقین کریں کہ امریکہ میں ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر کی دکان بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح ہمارے ہاں طبیبوں کی دکانیں ہوتی تھیں۔لکڑی کے خانے بھی اس طرح بنے ہوئے تھی، میز بھی اسی طرح کا تھا، میز کے اوپر پیالہ بھی تھا، پیالے کے اندر گھوٹنے والا بھی تھا اور اسی طرح کا ترازو بھی تھا۔گویا اس وقت امریکہ میں ڈاکٹر کی دکان پر بالکل وہی چیزیں ہوتی تھیں جو ہمارے ہاں طبیبوں کی دکانوں پر دیکھی جاتی تھیں۔لیکن آج انسان ڈاکٹر کی دکان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔یہ ساری کی ساری ایڈوانسمنٹ پہلے کی نہیں ہے بلکہ یہ پچھلے پچاس سال کی بات ہے۔

پڑھے لکھے حضرات کی تسلّی کے لئے ایک چھوٹی سی بات کہتا ہوں۔۱۹۸۵ء میں ہمارے ایک دوست نے امریکہ سے ایم۔ایس۔سی انجینئرنگ کی۔اسے ایم۔ایس۔سی کا جو پراجیکٹ ملا وہ PCAT کا تھا۔ایک PCXT ہوتا ہے اور ایک PCAT ہوتا ہے۔انہیں ریسرچ کے لئے PCAT کا پراجیکٹ ملا۔اگر آج کوئی PCAT کی بات کرے تو وہ کمپیوٹر کی دنیا میں کسی ڈائنوسار کی بات کر رہا ہوتا ہے، یہ اتنی پرانی چیز نظر آتی ہے۔اس کے بعد جو کمپیوٹر بننا شروع ہوئے تو Pentium, Pentium Pro, Pentium 2, Pentium3 Pentium 4, Pentium 5 بنتے چلے گئے۔

پھر گھروں میں بھی کمپیوٹر آنے لگے ہیں۔حالانکہ جب ہم لوگوں نے انجینئرنگ شروع کی تھی تو اس

زمانے میں کیلکو لیٹر بھی عام نہیں ہوتے تھے۔ہمیں آج بھی یاد ہے کہ ہم سلائی رولز سے انجینئیرنگ کیا کرتے تھے۔وہ ایک پیمانہ بنا ہوا تھا اور ہم اس سے اپنے پیپرز کیا کرتے تھے۔ہمارے پروفیسر صاحب ۱۹۷۵ء میں ایک سائنٹیفک کیلکو لیٹر لے کر آئے تو پوری کلاس نے اس کو ایسے دیکھا جیسے کوئی عجوبہ ہمارے پاس آ گیا ہو۔آج یہ حال ہے کہ بچوں کے ہاتھوں میں بھی سائنٹیفک کیلکو لیٹرز موجود ہیں۔

کمپیوٹر کے اس دور میں انسان نے ایڈوانسمنٹ میں بہت تیزی کر دی۔انسانی زندگی کے ہر شعبے میں کارآمد مشینیں بننے لگیں اور انسان نے اپنی ضرورت اور سہولت کی چیزوں کو عام کرنا شروع کر دیا۔چنانچہ فوڈ کے اندر دیکھو تو نئی سے نئی مشینیں آنے لگ گئیں۔جب وہ مشینیں فوڈ بنانے لگیں تو بہتر سے بہترین بنانے لگیں۔اسی طرح کمپیوٹر پر کپڑوں کے نئے سے نئے ڈیزائن بننا شروع ہو گئے اور مشینیں بہتر سے بہترین کپڑے بنانے لگیں۔اس طرح انسان کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

جینیٹک انجینئرنگ کا دور:

پھر یہاں سے کمپیوٹر نے ایک نیا دور کھولا۔اس دور کو جینیٹک انجینئرنگ (Genetic Engineering) کا دور کہتے ہیں۔یہ دور انسان کی زندگی کا بڑا اہم دور ہے۔

جینیٹک انجینئرنگ کیا ہوتی ہے؟

جینیٹک انجینئرنگ کیا ہوتی ہے؟ پیدا ہونے والی ہر چیز بیج سے پیدا ہوتی ہے۔بیج پر ریسرچ کر کے بیج کو سمجھنا اور اس میں اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرنا جینیٹک انجینئرنگ کہلاتی ہے۔

خلیفۃ اللہ کی استعداد:

دیکھیں، اگر کوئی ڈائریکٹر ایک فیکٹری چلا رہا ہو تو وہ اپنے بعد فیکٹری کا منیجر، اپنا نائب اور اپنا خلیفہ اسی بندے کو بناتا ہے جو فیکٹری چلانے کا علم رکھتا ہو۔وہ کبھی کسی چپڑاسی کو منیجر بنا کر نہیں جاتا۔اسی طرح اللہ

تعالیٰ نے جو انسان کے بارے میں خَلیفه فِیْ الْاَرْضِ فرمایا، کہ یہ زمین میں میرا خلیفہ ہے، تو اس خلیفہ کا کیا مطلب ہے؟.....اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان بھی ساری دنیا کی باریکیوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَسَخَّرَلَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجاثیہ:13) اور اس نے زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ بھی ہے وہ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔

مسخر کرنا کسے کہتے ہیں؟ مفردات میں امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو لگام دے کر اس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔اس سے پتہ چلا کہ انسان اتنی استعداد رکھتا ہے کہ وہ اس دنیا کی باریکیوں کو سمجھ بھی سکتا ہے اور اپنی عقل استعمال کر کے اس میں پنگا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

فصلوں میں جینیٹک انجینئرنگ کا کردار:

جب جینیٹک انجینئرنگ شروع ہوئی تو ابتداء میں بیجوں سے کام شروع ہوا۔ چنانچہ فصلوں کے عجیب و غریب بیج آنا شروع ہو گئے۔ایسے ایسے بیج آ گئے جن میں برداشت بہت زیادہ ہے اور کھیتی بھی بہت زیادہ دیتے ہیں۔ پہلے اگر ایک من نکلتا تھا تو اب دس من نکلنا شروع ہو گئے ہیں، پہلے جو شکل اچھی نہیں تھی وہ شکل خوبصورت ہو چکی ہے، اگر پہلے ذائقہ اچھا نہیں تھا تو اب ذائقہ اچھا ہو گیا ہے۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب شروع شروع میں کھیرا نکلا تو کڑوا ہوتا تھا۔جب تک بندہ اس کو رگڑتا نہیں تھا اس وقت تک وہ منہ میں لے جانے کے قابل ہی نہیں ہوتا تھا۔اب انسان نے اس پر ریسرچ کر کے ایسا کھیرا بنا دیا جسے کاٹنے اور رگڑنے کی ضرورت ہی نہیں، اب اگر ویسے ہی توڑ کر کھائیں تو آپ کو

کھانے میں میٹھا محسوس ہوگا۔

پھلوں میں جینیٹک انجینئرنگ کے کارنامے:

انسان نے اپنی آب وہوا کے مطابق پھلوں کی شکلیں حاصل کرنا شروع کر دی ہیں۔ایک وقت تھا کہ کچھ علاقوں میں کچھ پھل ہوتے ہی نہیں تھے۔آج ہر علاقے میں پھل ہونے شروع ہو گئے ہیں۔انہوں نے جینیٹک انجینئرنگ پر محنت کر کے اسے اپنی آب و ہوا کے مطابق بنا لیا ہے۔انسان نے اتنی محنت کی کہ سویڈن میں ایک درخت تھا، اسے قوم کو ٹی وی پر دکھایا گیا۔مثلاً وہ سٹرس فیملی کا درخت تھا اور اس کی ہر شاخ پر ایک الگ پھل لگا ہوا تھا۔گویا سائنسدانوں نے کہا کہ اتنے درخت لگانے کی کیا ضرورت ہے، بس ایک درخت لگا لو اور اس کی جتنی شاخیں ہوں گی، ہر شاخ پر اس فیملی کا ایک پھل لے لو۔.....اسی ایک درخت پر.....میٹھا بھی لگا ہوا تھا.....کینو بھی لگا ہوا تھا.....فروٹ بھی لگا ہوا تھا.....غرض ایک فیملی کے جتنے پھل تھے انہوں نے ایک ہی درخت پر لینا شروع کر دیئے۔اس جینیٹک انجینئرنگ نے انسان کو حیران کرنا شروع کر دیا۔

جانوروں میں جینیٹک انجینئرنگ کی ریسرچ:

یہ کام صرف سبزی اور پھلوں تک نہ رہا بلکہ وہاں سے جانوروں تک بڑھ گیا۔انسان نے سوچا کہ ہمیں زیادہ دودھ والا جانور چاہیے۔چنانچہ اس نے اس پر ریسرچ کرنا شروع کر دی۔یہ ریسرچ اتنی بڑھی کہ آج ایک گائے چوبیس گھنٹوں میں ایک سو بیس (۱۲۰) لٹر دودھ دینے والی بن چکی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اتنی بڑی ٹینکی لگائی ہوئی ہے۔ماشاء اللہ بندہ تو اس کا دودھ نکال ہی نہیں سکتا، تھک جاتا ہے، اس کا دودھ نکالنے کے لئے پمپ لگانے پڑتے ہیں۔اللہ تیری شان!!!

جانوروں میں جینیٹک انجینئرنگ کا کام ایسا آگے بڑھا کہ ڈنگر ڈاکٹر حضرات کے پاس جانوروں کے بیج

آنا شروع ہو گئے۔ڈاکٹر پوچھتے ہیں کہ جی آپ گائے کے اندر کون سا بیج رکھوانا چاہتے ہیں.....نسل بتا دیں.....رنگ بتا دیں.....اور آپ یہ بتا دیں کہ آپ کو بیٹی چاہیے یا بیٹا.....آدمی جو کچھ بتاتا ہے ڈاکٹر اسی طرح کا بیج نکال کر دے دیتا ہے اور پھر وہی کچھ ہو جاتا ہے۔.....اب کوئی بندہ یہ نہ سمجھے کہ انسان تو یہ کر ہی نہیں سکتا۔نہیں،نہیں،نہیں۔نظام تو خدا کا ہی بنایا ہوا ہے،اس نظام سے ہٹ کر بندہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔البتہ انسان نے اس نظام کو سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

انسانی افزائشِ نسل اور جینیٹک انجینیئرنگ:

جب جانوروں پر تجربات ہونا شروع ہوئے تو خیال تھا کہ شاید یہ جانوروں تک ہی رہیں گے مگر یہ آگے انسانوں تک بھی جا پہنچے۔یوں جینیٹک انجینئرنگ کے نئے کمالات انسانوں کے اندر بھی آنے لگے۔

آج انسانوں میں بھی جن کو بیٹوں کی خواہش ہوتی ہے،وہ ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں اور ان کا بیٹا ہو جاتا ہے۔.....وہ کیسے؟.....وہ اس طرح کہ مرد کے اندر جو کروموسومز ہیں اس کے دو حصے ہوتے ہیں،ایک x اور دوسرا y۔اسی طرح عورت کے کروموسومز کے بھی دو حصے ہوتے ہیں،ایک X اور دوسرا بھی x۔یعنی مرد کے اندر xy اور عورت کے اندر xx کروموسومز ہوتے ہیں۔جب مرد اور عورت آپس ملاپ کرتے ہیں تو ان دونوں کے کروموسومز دو دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔مرد کا X علیحدہ اور y علیحدہ۔اسی طرح عورت کا X علیحدہ اور X علیحدہ۔اس طرح کل چار حصے بن جاتے ہیں۔اب ان چار میں سے جو دو پہلے آپس میں مل جاتے ہیں،اسی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔اگر عورت کی طرف سے X اور مرد کی طرف سے y کمپونینٹ آ گیا اور یہ آپس میں مل گئے تو بیٹا پیدا ہو گیا اور اگر مرد کی طرف سے بھی X اور عورت کی طرف سے بھی X کمپونینٹ آ گیا تو بیٹی پیدا ہو گئی۔

اب جب انسان نے اس کو سمجھ لیا تو اس نے یہ کرنا شروع کر دیا کہ مرد کی طرف کا جو X پارٹ تھا،اس کو ا

س نے لیزر ریز کے ذریعے ختم کر دیا۔ جب x ختم ہی کر دیا تو y باقی ہے اور اب عورت کی طرف سے تو x پارٹ ہی آئے گا اور مرد کی طرف سے x پارٹ ملے گا تو پکا پکا پتر پیدا ہوگا۔ یہ کوئی انوکھا کام نہیں ہوا۔ خدا نے ایک نظام بنایا تھا اور انسان نے اس کو سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر دیا۔ ربِ کریم تو پہلے ہی فیصلہ دے چکے ہیں کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اسے میں نے انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔

بعض لوگ ایسی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ بھئی، حیران ہونے کی بات تو تب ہوتی کہ اگر بچے نے ماں کے پیٹ میں بالفرض ۲۰ ڈگری کے ٹمپریچر پر بننا ہو تو انسان اس کو ۲۰ کی بجائے ۱۲۰ ڈگری پر بنا کر دکھا دے۔ پھر تو ہم کہیں گے کہ ہاں انسان نے کچھ کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ذرہ برابر بھی اونچ نیچ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نظام بنا دیا ہے انسان اس کا پابند ہے۔ اگر وہ اس پابندی کے اندر رہتے ہوئے ایک چیز کو سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں یہ ختم کر دوں گا تو یہ چیز مل کر یہ بن جائے گی تو یہ تو خدائی نظام ہی آگے چل رہا ہے وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کر رہا۔ ہاں، اس کو سمجھ کر استعمال کر رہا ہے۔ قرآن مجید اس کی شہادت دے رہا ہے کہ انسان ایسا کر سکتا ہے۔ کچھ لوگ آج کے دور میں پریشان ہو جاتے ہیں کہ جی یہ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹا ہوگا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، بیٹا تو خدا دیتا ہے۔ بھئی! خدا ہی دیتا ہے، مگر اسی خدا نے علم بھی دیا ہے اور انسان نے اس علم کو استعمال کر کے آگے اپنی مرضی کے مطابق اس کے نتیجے نکال لئے ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی حیران ہونے والی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی بندہ یہ کہے کہ جی قرآن مجید میں ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ (الشوریٰ:49)

''وہ جس کو چاہتا ہے بیٹی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا دیتا ہے۔''

اور آج کا انسان بھی ایسا کر رہا ہے، تو ہم اس کو کہیں گے کہ جب مرد اور عورت کا آپس میں ملاپ ہوتا ہے تو دنیا کا کوئی ڈاکٹر اس ملاپ سے پہلے نہیں بتا سکتا کہ نتیجہ کیا نکلے گا۔ جب کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ بیٹی ہوگی یا بیٹا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خدا ہی کا اختیار ہے کہ وہ جس حصے کو چاہے ملا دے۔ ہاں، جب بندے نے اس سے آگے قدم رکھا اور ایک حصے کو ختم ہی کر دیا تو اب اختیار والا مسئلہ ہی نہیں رہا، اب تو چوائس ہے ہی نہیں۔ بننی ہے تو ایک ہی چیز بننی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے جو یہ بات کی کہ عام حالات میں کیا بنے گا، بیٹی یا بیٹا، یہ اللہ رب العزت نے علم رکھا ہے اور انسان اس علم کو سمجھ کر اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر لیتا ہے۔ تو یہ چیز قرآن مجید کے خلاف نہیں ہو رہی بلکہ اس کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ ہاں، ہم تب اس کا کمال جانیں جب وہ فطرت کے اس اصول کو، جو اللہ نے ماں کے پیٹ میں بنا دیا، ایک طرف رکھ دے اور یہ کہے کہ میں اپنی Humanity، اپنے ٹمپریچر اور اپنے Environment (ماحول) میں بچے کو بنا کر دکھا سکتا ہوں۔ ہم تب کہیں گے کہ جی ہاں، اس نے یہ کام کر کے دکھایا ہے۔ اگر یہ ساری عمر بھی ایسا کرتا رہے تو یہ کبھی بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔

یہ جو ٹیسٹ ٹیوب بے بی بناتے ہیں، وہ اس ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پوری کی پوری Environment (ماحول) وہی بناتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں اللہ نے بنائی ہوتی ہے۔ بھئی! خدا کے اس نظام کو بدل کر دکھاؤ تو ہم جانیں۔ وہ اس کو ہرگز نہیں بدل سکتے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ وہی خدا کا بنایا ہوا Environment ہی رکھنا پڑے گا۔ بھئی! جب رکھنا ہی خدا کا نظام ہے تو پھر اس میں ہمارا کیا ہے؟ ہم کوئی نئی چیز بنا رہے ہیں؟ ہم تو اسی چیز کو آگے پیچھے کر کے دکھا رہے ہیں اور کسی چیز کو آگے پیچھے کر کے دکھانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔

ڈی۔این۔اے کی دریافت:

اب انسان نے جینیٹک انجینئرنگ کے ذریعے DNA کو دریافت کر لیا ہے ۔DNA کیا ہے ؟ DNA انسان کے بدن میں ایک چھوٹا سا سیل ہے۔اس سیل میں تمام ہدایات موجود ہیں کہ انسان نے ماں کے پیٹ میں کیسے بننا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے یہ تمام ہدایات ایک چھوٹے سے سیل کے اندر رکھ دی ہیں۔جیسے ورکشاپ میں کوئی پارٹ بنتا ہے تو ایک کاغذ پر اس کے بارے میں ہدایات لکھی ہوتی ہیں۔ایک ٹربائن بنتی ہے تو اس کی انسٹرکشن بک اتنی بڑی ہوتی ہے۔جب انسان کو پتہ چل گیا کہ اس DNA کے اندر تمام تفصیلات ہیں تو اس نے اس کو مزید سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔

DNA کے اندر لفظوں میں لکھی ہوئی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ بار کوڈز ہیں۔جیسے کوڈ میں کوئی چیز لکھی ہوتی ہے ،وہ ایسے ہی لکھا ہوا ہے۔انسان نے ان کوڈز کو سمجھنا شروع کر دیا۔چنانچہ آج کا انسان تین ہزار کوڈز کو اَن کوڈ کر چکا ہے۔مثال کے طور پر:

جب بچہ بنتا ہے تو اس کی آنکھیں کالی ہوں گی یا نیلی ہوں گی۔

اس کے بال کالے ہوں گے یا بھورے ہوں گے۔

اس طرح کی انسٹرکشنز DNA کے اندر کوڈز کی شکل میں لکھی ہوئی ہیں۔چنانچہ اب اس کو پتہ ہے کہ اگر یہ ایسے ہو تو پیدا ہونے والے بچے کے بال کالے ہوں گے اور ایسے ہو تو اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔اب یہ چیزیں انسان نے سمجھنا شروع کر دی ہیں اور اب تک اس نے تین ہزار رازوں سے پردہ اٹھا لیا ہے۔اور ابھی یہ سلسلہ چل رہا ہے۔لاکھوں کے حساب سے ڈاکٹرز روزانہ بیٹھ کر اس پر ریسرچ کر رہے ہیں۔

DNA کے اندر پتہ چل جاتا ہے کہ اس بندے کو زندگی میں کون کون سی بیماریاں لاحق ہوں گی۔لہٰذا اب

وہ کہتے ہیں کہ ہم انسان کی بیماریوں کا علاج DNA میں ہی کر دیا کریں گے تا کہ بیماریاں ہی ختم ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے اوپر ریسرچ ہونے لگ گئی۔ لہٰذا اب ایک نیا ٹیسٹ نکلا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے وہ کروایا اور ہم نے خود اس کا نتیجہ دیکھا۔ وہ آنے والے ۲۵ سالوں کی ایک پروفائل ہے۔ وہ اس پروفائل میں بتاتے ہیں کہ اگر ایکسیڈنٹ نہ ہو، کوئی خاص واقعہ بھی نہ ہو اور روٹین لائف چلتی رہے تو اس بندے کو

اتنے سال بعد شوگر ہو جائے گی۔

اتنے سال بعد بلڈ پریشر ہو جائے گا۔

اتنے سال بعد ٹی۔بی ہو جائے گی۔

اتنے سال بعد لیکیومیا ہو جائے گا۔

واقعی کچھ لوگوں کے ٹیسٹ کر کے جب ان کی پروفائل تیار کی گئی تو ان کو کچھ عرصہ نارمل لائف گزارنے کے بعد وہی بیماریاں لگ گئیں اور عین اتنے ہی عرصے کے بعد وہ بیماریاں آئیں جتنا اس پروفائل میں دیا گیا تھا۔ وہ اب اس کے کنفرمیٹری ٹیسٹ کر چکے ہیں۔ جیسے ایک انجینئر کسی مشین کو دیکھتے ہی کہہ دیتا ہے کہ اس کا یہ پارٹ گھس جائے گا اور اتنے عرصے کے بعد بیرنگ خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح آج کے ڈاکٹروں نے بھی انسان کے اندر کے بارے میں پچیس سال کی پروفائل بتانی شروع کر دی ہے۔

یاد رکھیں کہ انسان یہیں غلطی کھائے گا۔ جب یہ DNA کو چھیڑنا شروع کر دے گا تو علم کا ایک ایسا نیا جہان نکلے گا جس کو یہ نہیں جانتا ہو گا، وہاں جا کے بے چارہ پھنس جائے گا۔ اس کو Immune System کہتے ہیں۔ جب یہ انسان اس Immune System کو چھیڑے گا تو ایسی مصیبت میں پھنسے گا کہ اس کے ہاتھ سے معاملہ نکل جائے گا۔ پھر وہ مانے گا کہ

''اللہ! ہے تاں تُو ای اُتے۔''

جب اس نے چابی لگا کر دروازہ کھول ہی دیا تو ایک پنڈورا باکس کھل جائے گا اور ایسے تماشے ہوں گے کہ پھر ہٹ کر کہے گا،

''یا اللہ! جو تو نے بنایا تھا، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہی سب سے بہتر ہے۔''

مگر چونکہ آج نئی نئی ریسرچ کھل رہی ہے اس لئے آج انسان بڑا خوش ہے کہ ہم نے پتہ نہیں کہ کیا کیا نئی چیزیں دیکھنا شروع کر دی ہیں۔

جینیٹک انجینئرنگ کا ایک قابلِ تحسین کارنامہ:

جینیٹک انجینئرنگ نے ایک کام کمال کا بھی کیا ہے، وہ یہ کہ اس نے ڈارون تھیوری کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ سینکڑوں سالوں سے جو ڈارون کا نظریہ دنیا میں چل رہا تھا اور سائنسدان اسے مان رہے تھے اب جینیٹک انجینئرنگ کی وجہ سے یورپ کے سائنسدانوں نے خود اس نظریے کے غلط ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔.....ڈارون کیا کہتا تھا؟.....وہ کہتا تھا کہ millions اور billions کے اندر پہلے فلاں چیزیں تھیں، پھر وہ یہ بن گئے، پھر وہ سب کے سب بندر بن گئے اور اس کے بعد وہ سب انسان بن گئے۔ اس نے کہا کہ لاکھوں کی تعداد میں مرد اور عورتیں ایک ہی وقت میں بن گئے۔

جینیٹک انجینئرنگ نے یہ کہا کہ دنیا کے اندر جو انسان کی نسل چلی اس کی ابتداء اگر ایک مرد سے ہو تو پھر بات سمجھ میں آنی آسان ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ پہلے عورت ہوتی اور عورت سے مرد وجود میں آتا۔ دیکھیں، عام تصور تو یہی پیدا ہوتا ہے کہ ماں ہوگی تو پھر بچہ پیدا ہوگا۔ مگر جینیٹک انجینئرنگ نے کہا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ سب سے پہلے مرد پیدا ہوا پھر مرد سے عورت بنی اور پھر عورت اور مرد کے ملاپ سے آگے اولادیں چلیں۔ مرد کے xy کروموسومز سے تو یہ ممکن ہے کہ عورت بن جائے لیکن یہ ممکن ہی نہیں

کہ xx والی عورت پہلے ہوتی اور اس سے مرد پیدا ہوسکتا۔ گویا جینیٹک انجینئرنگ نے آکر صاف کہہ دیا کہ یہ ڈارون تھیوری مفروضوں کا پلندہ تھا، اب اس کا زمانہ گزر گیا ہے، اٹھا کر اسے کونے میں رکھ دو۔

اب دیکھیں کہ جینیٹک انجینئرنگ بھی کہتی ہے کہ دنیا میں ایک مرد سے سلسلہ آگے چلا اور ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السّلام ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کی پسلی سے اماں حوا کو پیدا کیا اور پھر حضرت آدم علیہ السّلام اور اماں حوا سے نسل آگے چلی۔ لہٰذا قرآن مجید کی آیت سنئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النسآء:1)

''اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اس نے اسی میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں۔''

واہ میرے مولا! چودہ سو سال پہلے دنیا سائنس اور جینیٹک انجینئرنگ کا نام ہی نہیں جانتی تھی، اس وقت قرآن مجید نے یہ کہہ دیا کہ ایک جی سے تخلیق کا سلسلہ شروع ہوا اور اس میں سے اس کا جوڑا نکالا اور ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

جینیٹک انجینئرنگ نے کمال کا کام یہ کیا یہ اس نے اسلام کے نظریے کی تصدیق کر دی۔.....جی ہاں، جہاں اس کی برائیاں سامنے آرہی ہیں، وہاں اچھائیاں بھی سامنے آرہی ہیں۔.....الحمد للہ، اب ہم جب باہر جا کر دنیا کو کہتے ہیں کہ اے ڈارون کے پجاریو! اب تمہاری وہ حقیقتیں کہاں گئیں، تو وہ کہتے ہیں کہ ہاں اسلام نے چودہ سو سال پہلے ٹھیک کہا تھا۔ ہم نے کہا، اسلام کی جو باتیں تمہیں آج سمجھ میں

نہیں آتیں کچھ سالوں کے بعد وہ بھی تمہیں سمجھ میں آجائیں گی۔اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ

We are in search of truth.

(ہم سچ کی تلاش میں ہیں۔)

ان کو وہ سچ اسلام کے دروازے پر آکر مل رہا ہے۔اس لئے باہر کے ملکوں میں جو یہ کہتے ہیں کہ لوگ زیادہ تعداد میں مسلمان ہورہے ہیں اور قرآن مجید کے نسخے زیادہ بک رہے ہیں، وہ کوئی مسلمانوں کی محنت سے بک رہے ہیں، وہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور جب ان کو قرآن مجید میں حقیقتیں نظر آتی ہیں تو کافر خود بخود کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے چلے جارہے ہیں۔قرآن مجید کی حقانیت خود ان کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔سبحان اللہ۔

قربِ قیامت اور جینیٹک انجینئرنگ:

اب میں آپ کو ایک اور بات عرض کردوں کہ قیامت کے قائم ہونے کا جو ظاہری سبب بنے گا، لگتا ہے کہ وہ جینیٹک انجینئرنگ ہی بنے گی, ذرا توجہ فرمائیے، بڑی اہم بات ہے۔حدیثِ پاک میں قربِ قیامت کی تین نشانیاں بتائی گئی ہے۔مثلاً

(ا) ایک نشانی یہ بتائی گئی کہ قربِ قیامت میں شرارالناس لوگ پیدا ہوجائیں گے۔یعنی ایسے لوگ پیدا ہوجائیں گے جو سب سے زیادہ شریر ہوں گے، ان پر قیامت قائم ہوگی۔وہ شرارالناس کیسے ہوں گے ؟ وہ اس طرح کہ وہ اتنے بے غیرت ہوں گے کہ حدیث پاک میں بتایا گیا کہ لوگوں کا ایک مجمع ہوگا، ان کے قریب سے ایک عورت گزرے گی، ان میں سے ایک مرد اس عورت کے ساتھ برائی کا مرتکب ہوگا لیکن پورے مجمع میں کوئی ایک بھی بندہ ایسا نہیں ہوگا جو ان کو یہ کہہ دے کہ آپ دونوں کہیں اوٹ میں چلے جائیں۔وہ اتنے بے حیا ہوں گے کہ ان میں سے یہ کہنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

(۲).....دوسری نشانی یہ بتائی کہ وہ دین سے اتنا دور ہوں گے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ لوگ اللہ کا نام سن کر کہیں گے کہ ہاں، ہمارے بڑے یہ نام تو لیا کرتے تھے۔یعنی ایسا زمانہ آجائے گا جب اللہ تعالیٰ کا نام بھی ان کے لئے سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔

(۳) تیسری نشانی یہ بتائی کہ پوری دنیا میں ایک بندہ بھی اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا۔

اب یہاں ایک نکتہ سمجھئے۔یہی نکتہ سمجھانے کے لئے میں نے یہ پورا بیک گراؤنڈ باندھا ہے۔یہ جو حدیث پاک میں آیا کہ پوری دنیا میں ایک بندہ بھی اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا، یہ ظاہر میں کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔مان لیا کہ دنیا سے مسلمان ختم ہو جائیں ،لیکن عیسائی تو رہیں گے،اگر عیسائی بھی ختم ہو جائیں تو یہودی تو رہیں گے،لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نہ مسلمان رہیں، نہ عیسائی رہیں اور نہ ہی یہودی رہیں۔اور جب تک یہ تینوں رہیں گے خدا کا تصور موجود رہے گا۔کیونکہ وہ بھی خدا کو مانتے ہیں۔ڈالر پر آج بھی لکھا ہوا ہے کہ

In God we believe.

تو جب مسلمان بھی خدا کو مانتے ہیں،عیسائی بھی خدا کو مانتے ہیں اور یہودی بھی خدا کو مانتے ہیں تو یہ جو کہا کہ پوری دنیا میں اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا تو اس کا مطلب ہے کہ نہ مسلمان رہیں گے، نہ عیسائی رہیں گے اور نہ یہودی رہیں گے۔یعنی دین کو ماننے والے پوری دنیا میں کوئی بھی نہیں رہیں گے۔اب یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ دین کا ماننے والا پوری دنیا میں کوئی نہ رہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

جی ہاں، ایسا ہی ہوگا اور اب اس کے ہونے کا طریقہ سنئے۔اگر یہ راز سمجھ میں آجائے تو بات ذرا آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔وہ اس طرح ہوگا کہ جیسے انسان نے DNA پر تحقیق کر کے اس کے Physical aspects (طبعی پہلوؤں) کو دیکھا اسی طرح اس نے اس کے Behavioural

Behavioural aspects (رویہ جاتی پہلوؤں) کو بھی سٹڈی کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کو aspects of DNA کہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ

کچھ بچے بہت ہی بہادر ہوتے ہیں

کچھ بچے بہت ہی ڈرپوک ہوتے ہیں

کچھ بچے بہت ہی شریف ہوتے ہیں اور

کچھ بچے بہت ہی بے حیا ہوتے ہیں۔

یہ خوبیاں اور خامیاں بچوں کے اندر کیسے آتی ہیں۔ ان کا تعلّق بھی DNA سے ہے۔ اب اس کو انسان نے سوچنا شروع کر دیا ہے۔ جب انسان اس کو سمجھنے لگ جائے گا تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ

اگر یہ چیز ہو تو بچہ باحیا ہوتا ہے۔

اگر یہ چیز ہو تو بچہ بے حیا اور بے غیرت ہوتا ہے

اگر یہ چیز ہو تو بچہ بہادر ہوتا ہے اور

اگر یہ چیز ہو تو بچہ بزدل اور ڈرپوک ہوتا ہے۔

جب انسان اس کو سمجھنا شروع کر دے گا تو اس کے بعد وہ اس کے اندر دخل اندازی کرنا شروع کر دے گا۔ کیا دخل اندازی کرے گا؟ وہ کہے گا کہ یہ خواہ مخواہ کا شرم کیا چیز ہے، یہ تو ایک بیماری ہے۔ چنانچہ یورپ میں کفر نے اس وقت یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ

Shyness is a sickness.

(شرم ایک بیماری ہے)

جب کہ ہمارے دین اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

''حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔''

اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ

حیاء میں سراسر خیر ہے۔

چونکہ اب کفر بے شرمی کی تعلیم دے رہا ہے لہٰذا آج یورپ کے اندر کہتے ہیں کہ نہ تو مرد میں شرم ہونی چاہیے اور نہ ہی عورت میں۔ چنانچہ اب وہ شرم کو نکالنے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں اب یہ شرم کیسے نکلے گی؟ ان کو اس کا آسان طریقہ یہ نظر آئے گا کہ اسی DNA میں ہی کچھ کر دو تا کہ بندے میں شرم ہی نہ رہے۔ اصل میں تو شرم کی بات ہی ہوتی ہے نا۔ دیکھیں، اب ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اگر بیٹھے بیٹھے مجھے پیاس محسوس ہو تو میں پانی پینا شروع کر دوں گا، کیا مجھے پانی پیتے ہوئے شرم محسوس ہو گی؟ نہیں، کیونکہ یہ بدن کی ایک ضرورت ہے اور میں اس کو شرم کا کام ہی نہیں سمجھتا۔ لیکن اب یورپ میں لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ انسان کی تین ضروریات ہیں:

(۱) کھانا پینا

(۲) سونا

(۳) جنسی ضروریات پوری کرنا

وہ کہتے ہیں کہ جب یہ سب ضروریات ہیں تو پھر ان کو پورا کرنے میں شرم کیا کرنا۔ دیکھیں، بکریوں کا ریوڑ ہو، اگر اس میں بکرا بکری سے ملاپ کرنا چاہے تو کیا وہ شرم محسوس کرتا ہے؟ مرغا مرغی سے ملاپ کرنا چاہے تو کیا وہ شرم محسوس کرتا ہے؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ تم کھانے پینے میں کوئی شرم نہیں کرتے، جہاں نیند

آجاتی ہے تم وہی سو جاتے ہو اور کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تو پھر یہ آپس کا ملاپ بھی تو ضرورت ہے، اس میں کیوں شرم محسوس کرتے ہو؟ اس طرح شرم وحیا کا پتا ہی کٹ جائے گا اور لوگ کھانے پینے اور سونے کی طرح اس کو بھی ضرورت محسوس کرنا شروع کر دیں گے، لہٰذا ایک بے شرمی، بے حیائی اور بے غیرتی کی زندگی شروع ہو جائے گی۔

اب جب سائنسدان دیکھیں گے کہ بے حیائی کے راستے میں کچھ دیندار لوگ رکاوٹ بن رہے رہیں تو وہ کہیں گے کہ یہ بڑے دین والے بنتے ہیں لہٰذا ان کا بھی پتا کاٹو۔ چنانچہ وہ DNA پر ریسرچ کر کے ڈھونڈیں گے کہ کس جگہ پر کیا ہو تو بندے کو دین سے محبّت ہوتی ہے، خدا سے محبّت ہوتی ہے اور کس جگہ اس کو ختم کر دیا جائے تو انسان خدا بیزار بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ ایک ایسی نسل پیدا کرنے کی کوشش کریں گے جو پیدائشی طور پر خدا بیزار ہوگی اور اس نسل کو خدا کا تصور بھی اچھا نہیں لگے گا۔

اچھا، اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اعلان کیا جائے گا کہ تم لوگ میاں بیوی اگر ملاپ کرنا چاہتے ہو تو مرضی سے کرو، اگر بچہ چاہتے ہو تو ہمارے پاس جینیٹک بینک کے اندر بڑے بڑے سائنسدانوں کے بیج رکھے ہوئے ہیں لہٰذا تم اپنے ہاں عام بچہ پیدا نہ کرو بلکہ

آئن سٹائن جیسا بچہ پیدا کرو

نیوٹن جیسا بچہ پیدا کرو

شیکسپیئر جیسا بچہ پیدا کرو

فلاں رول آف آنرونر جیسا بچہ پیدا کرو جس نے نوبل پرائزون کیا تھا۔

چونکہ وہاں کی عورتوں کو تو اس میں کوئی فرق ہی نظر نہیں آتا لہٰذا وہ کہیں گی کہ ٹھیک ہے، جہاں تک میاں بیوی کا تعلّق ہے، ہم اپنی زندگی گزاریں گے، اگر ہم چاہتے ہی ہیں تو پھر ہمارا بچہ بھی آئن سٹائن اور نیوٹن

جیسا ہونا چاہیے، لہٰذا مجھے Marshal race چاہیے۔ چنانچہ عورتیں اپنے خاوندوں کی بجائے جینیٹک بینک میں جا کر Pregnant (حاملہ) ہوا کریں گی۔ جب وہاں سے حاملہ ہوں گی تو حکومت کہے گی کہ چونکہ تم Marshal race کو پیدا کرنے میں ہماری معاون بنی رہی ہو، اس لئے ہم تمہارا ٹیکس بھی معاف کر دیں گے اور اتنا اتنا ڈسکاؤنٹ دے دیں گے۔ اس مارشل ریس کے چکر میں وہ ان کو ایسا بیج دیں گے کہ پیدا ہونے والے بچے کی صحت بھی اچھی ہوگی، وہ عقلمند اور ذہین بھی بڑا ہوگا..... شکل کا بھی خوبصورت ہوگا لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ

وہ خدا بیزار ہوگا،

اس کا دین سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہوگا،

وہ اتنا بے حیا ہوگا کہ حیا کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھے گا۔

اب جب ایسے بچے پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے تو پھر پوری کی پوری قومیں ایسی بنیں گی کہ جن کے جسم میں خدا کے تصور والا مادہ ہی نہیں ہوگا۔ یہ پکے جانور ہوں گے۔ ان کو ''عقلمند جانور'' کہنا چاہیے۔ جب انسان یہ عقلمند جانور بنانا شروع کر دے گا تو پھر یہ غالب آئیں گے اور پھر یہ اپنی نسل کو ایسا آگے بڑھائیں گے کہ پوری دنیا میں یہی ہوں گے۔

یہ وہ لوگ ہوں گے کہ اگر ان کے سامنے کوئی اللہ کا نام لے گا تو یہ بیٹھ کر کہیں گے، بھئی! میں نے بھی اپنے دادا سے یہ نام سنا تو تھا، پتہ نہیں یہ نام کیا ہوتا ہے؟۔ پھر ایسا وقت آجائے گا کہ پوری دنیا میں ایک بندہ بھی ایسا نہیں ہوگا جو اللہ کا نام جانتا اور لیتا ہوگا۔ جب ایک بندہ بھی ایسا نہیں رہے گا تو یہ وہ وقت ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم کر دیں گے اور دنیا کی بساط کو سمیٹ دیا جائے..... اس طرح انسان کا وہ سفر جو ایگریکلچر انجینئرنگ سے شروع ہوا تھا بالآخر جینیٹک انجینئرنگ پر آ کر اس کے سارے سفر کی انتہا

ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کھیل کو ختم کر کے پھر ساری دنیا کو اپنے سامنے کھڑا کر کے جواب لیں گے۔
اللہ رب العزت ہمیں اس وقت سے پہلے پہلے دین پر زندگی گزارنے کی اور دین کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العلمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ